دوزندگیاں اور دوموتیں

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں زندگی بخشی، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔

(البقرة۲۸)

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالی نے دوزندگیوں اور دوموتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ایک وہ مرحلہ جب انسان کی حیاۃ دنیوی کا آغاز نہیں ہوا تھا اور دوسرا وہ مرحلہ جب انسان اپنی دنیوی زندگی مکمل کرلیتا ہے، اللہ تعالی نے ان دونوں مراحل کو موت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور دنیوی زندگی کے آغاز سے اختتام تک اور مرنے کے بعد اخروی زندگی کو اللہ تبارک وتعالی نے حیات سے تعبیر کیا ہے۔

دنیوی زندگی کا آغاز اسی وقت ہو جاتا ہے جب رحم مادر میں نطفہ ءامشاج (زائیگوٹ) تشکیل پاتا ہے۔ اور اسکا اختتام سانسیں رکنے، روح نکلنے، اور نبض تھمنے کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اور اسکے کچھ ہی بعد اخروی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جو کہ ابدی اور دائمی زندگی ہے۔

انہی دوزندگیوں اور دوموتوں کا تذکرہ اللہ تعالی نے یوں بھی فرمایا ہے:

قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ

وہ (کفار) کہیں گے اے ہمارے رب! تونے ہمیں دوبار موت دی، اور دوبارہ زندگی عطاء کی، سو ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا ہے، تو کیا نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ (غافر:۱۱)

ان آیات بینات کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بناء پر کچھ لوگوں نے قبر وبرزخ کی زندگی، اور قبر میں روح کے لوٹنے اور منکر نکیر کے سوال وجواب سے متعلق تمام تر احادیث کا انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ اگر ہم یہ بات تسلیم کرلیں کہ قبر میں مرنے والے کی روح لوٹادی جاتی ہے تو ایک تیسری زندگی کا اثبات ہوتا ہے۔ جبکہ قرآن میں صرف دوزندگیوں کا ذکر ہے۔

(بقیہ: صفحہ نمبر ۵۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ (3)﴾

بیاد
فقیہ دوراں، محدث عصر رواں
حافظ عبدالمنان رحمہ اللہ نورپوری

سلسلہ وار مجلة

أهل الحديث

3

www.ahlulhdeeth.com

ملتان

مدیر
محمد رفیق طاہر

نضر الله امرء سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه

المدینہ

جلد: ۱	جمادی اول، جمادی ثانی ۱۴۳۵ھ	شمارہ: ۳

زرتعاون

فی شمارہ: 25روپے
سالانہ: 150 روپے
عام ڈاک: 250روپے
رجسٹرڈ ڈاک: 450روپے

خط وکتابت

مرکز أهل الحديث
عثمان غنی روڈ، مکہ ٹاؤن، ملتان

سرکولیشن منیجر
محمد اشفاق یونس
0347-7003080

مقام اشاعت

مرکز أهل الحديث
عثمان غنی روڈ، مکہ ٹاؤن، ملتان

برائے رابطہ:

mujallah@ahlulhdeeth.com 0347-7003080 0321-7302283

فتاوی اہل الحدیث

ابو عبد الرحمن محمد رفیق طاہر..... مدیر مرکز اہل الحدیث ملتان

علم کے دو برتن کیا ہیں؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ کے فرمان: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن یاد کیے ہیں" سے کیا مراد ہے؟　　غلام اللہ، میلسی

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب واليه المرجع والمآب

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ پہلے اچھی طرح سے سمجھ لیں ' وہ فرماتے ہیں :

" حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ: فَأَمَّا أَحَدُهُمَا **فَبَثَثْتُهُ**، وَأَمَّا الآخَرُ **فَلَوْ بَثَثْتُهُ** قُطِعَ هَذَا البُلْعُومُ "

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن یاد کیے ہیں جن میں سے ایک تو **میں نے پھیلا دیا** ہے اور دوسرا ایسا ہے کہ **اگر میں اسے پھیلاؤں** تو یہ شہ رگ کاٹ دی جائے۔　　[صحیح بخاری کتاب العلم باب حفظ العلم (۱۲۰)]

اس حدیث کے الفاظ سے یہ بات واضح ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے علم کے دونوں برتن ظاہر کیے ہیں۔ہاں ایک کو پھیلایا ہے اور دوسرے کو پھیلایا نہیں ہے۔

اس دوسرے برتن کو وہ تلمیحات واشارات کے ذریعہ ظاہر کرتے رہے ہیں۔اور یہ علم خلافت وامارت اور فتن کے متعلق تھا۔جسے انہوں نے واضح لفظوں میں صرف اس لیے بیان نہیں کیا کہ انہیں قتل کا خدشہ تھا۔

مثلا فرماتے ہیں :

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ، وَمِنْ إِمْرَةِ الصِّبْيَانِ»

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل اور بچوں کی امارت سے پناہ مانگو۔ [مصنف ابن أبي شيبه ج ٧ ص ٤٦١ ح ٣٧٢٣٥]

تنبیہ بلیغ :

بعض لوگ اس روایت سے یزید بن معاویہ کا دور حکومت لیتے ہیں لیکن اس سے وہ قطعا مراد نہیں !

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں سن ہجری کا آغاز نہیں ہوا تھا اور اس حدیث سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ستر سال ہے۔اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف تین سال قبل مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات ہجری سن کے اعتبار سے ۱۱ ہجری کو ہے۔تو اس ستر سے مراد ۸۰ ہجری بنتا ہے۔گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸۰ ہجری کے اوائل سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔

لہذا یزید بن معاویہ اسکا مصداق نہیں ہوسکتا کیونکہ اسکی وفات اس سے سولہ سال قبل ۶۴ ہجری کو ہوئی ہے۔

اور اگر اس سے سن ہجری بھی مراد لے لیا جائے تب بھی یزید بن معاویہ اسکا مصداق نہیں بنتا کیونکہ اسکی وفات چھ سال قبل بنتی ہے۔

الغرض کسی بھی طور اس حدیث کا مصداق یزید بن معاویہ نہیں !

یاد رہے کہ جن روایات میں سن ساٹھ یا اسکے اوائل سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے وہ تمام تر ثابت نہیں !

اور بچوں کی امارت سے کون سا دور مراد ہے۔اسکی تحدید وتعیین کسی حدیث میں وارد نہیں ہوئی۔یعنی جو بھی دور بچوں کی امارت کا دور ہو گا اس سے پناہ مانگنی چاہیے اور حدیث کے یہ الفاظ بھی یزید بن معاویہ پر صادق نہیں آتے کیونکہ جب یزید کو امارت ملی اسوقت وہ بچے نہیں تھے کہ انہیں صبی کہا جاسکے !!!

اسی طرح فرماتے ہیں :

سَمِعْتُ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقُ يَقُولُ هَلَاكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالَ مَرْوَانُ غِلْمَةٌ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُسَمِّيَهُمْ بَنِي فُلَانٍ وَبَنِي فُلَانٍ

[صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوة فی الإسلام (٣٦٠٥)]

میں نے صادق ومصدوق یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے بچوں کے ہاتھوں ہوگی۔تو مروان نے کہا بچے ؟ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں انکے نام لے سکتا ہوں بنی فلاں اور بنی فلاں۔

یعنی یہ وعاء فتن اور امور حکومت سے متعلق تھی۔جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے لیکن اسے پھیلایا نہیں ہے۔

جسکی مثال مذکورہ بالااور اس طرح کی بہت سی دیگر احادیث ہیں۔

تنبیہ بلیغ :

بعض صوفیاء اس روایت سے یہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ علم جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چھپا کر رکھا تھا وہ باطنی یا طریقت کا علم ہے۔

حاشا وکلا ! ہرگز ایسا نہیں ہے۔کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی کوئی بات بھی منقول نہیں ہے۔

اور اگر وہ کہیں کہ انہوں نے بیان ہی نہیں کی تو منقول کیسے ہوسکتی ہے۔تو ہم عرض کیے دیتے ہیں کہ اگر انہوں نے بیان ہی نہیں کی تو تمہیں کہاں سے معلوم ہوگئی ؟!۔

تنبیہ ثانی :

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی کوئی بھی بات چھپائی نہیں ہے۔بلکہ سب کچھ بیان کر دیا ہے۔ہاں کچھ باتیں سب کے سامنے بیان کی ہیں اور کچھ خاص خاص لوگوں کو بتائی ہیں۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس طرح کر لیا کرتے تھے۔الغرض جو کچھ بھی انہوں نے سنا ہے وہ بیان فرمایا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے :

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (البقرة : ١٥٩)

یقینا وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ آیات بینات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر دیا ہے تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالی اور لعنت کرنے والے سبھی لعنت کرتے ہیں۔

اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کتمان علم کریں۔

انبیاء قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں؟

اس حدیث کی مکمل تحقیق درکار ہے:

الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون { مسند أبي يعلى ١٤٧/٦ (٣٤٢٥) }

اس کو شیخ البانی نے صحیح کہا ہے (سلسلہ صحیحہ رقم :٦٢١)

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب واليه المرجع والمآب

اسکی سند میں أبو الجهم الأزرق بن على مجہول الضبط ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسکے بارہ میں کہا ہے " صدوق یغرب" یعنی یہ عادل راوی ہے اور انوکھی انوکھی روایات بیان کرتا ہے۔

کسی بھی راوی کی روایت تب قبول ہوتی ہے جب وہ عادل اور ضابط ہو۔اس راوی کا عادل ہونا تو حافظ صاحب کے قول "صدوق" سے ثابت ہوگیا ہے لیکن اسکا ضبط یعنی حافظہ کیسا تھا مضبوط تھا یا کمزور تو اسکے بارہ میں کوئی علم نہیں ہاں حافظ صاحب رحمہ اللہ کا فرمان "یغرب" اسکے حافظہ کی خرابی کی طرف لطیف اشارہ ہے ۔اور اسی طرح ابن حبان نے بھی اسے ثقات میں ذکر کر کے "یغرب" کا کلمہ بھی بولا ہے۔اور ابن حبان کا رواۃ کی توثیق میں متساہل ہونا معلوم ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ کا اس روایت کو حسن قرار دینا تعدد طرق کی بناء پر ہے۔جبکہ اسکے تمام تر طرق مل کر بھی یہ روایت اس قابل نہیں بنتی کہ اسے قبول کیا جائے کیونکہ اسکی مسند بزار ، فوائد رازی ، تاریخ دمشق ، الکامل لابن عدی ، اور حیاۃ الأنبیاء للبیہقی والی سند کا مرکزی راوی حسن بن قتیبہ المدائنی سخت ضعیف ہے۔بلکہ امام دارقطنی نے تو اسے متروک کہا ہے۔

اس ضعیف راوی کی روایت کو بطور متابعت پیش کرکے امام البانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے " یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ازرق نے یہ حدیث یاد رکھی ہے اور کوئی انوکھا کام نہیں کیا " لیکن شیخ صاحب رحمہ اللہ کا یہ فرمان محل نظر ہے کیونکہ یہ سند متابعت کے قابل نہیں !

رہا حیاۃ انبیاء کا مسئلہ تو وہ صحیح احادیث اور نص قرآنی سے ثابت ہے۔کہ انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اپنی قبروں میں اخروی زندگی کا پہلا مرحلہ یعنی برزخی زندگی گزار رہے ہیں جو کہ دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔ اسے حیاۃ دنیوی قرار دینا فہم کا زوال ہے۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ پر ہمارے دادا استاذ محترم اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی شہکار تصنیف "الأدلة القوية على أن حياة النبي في قبره ليست بدنيويه" کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ اسے مکتبہ سلفیہ نے "مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ" کے نام سے شائع کیا ہے۔

تکفیری کسے کہا جاتا ہے؟

تکفیری کسے کہا جاتا ہے، اور تکفیری کون لوگ ہوتے ہیں؟ رضوان ، اسلام آباد

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب واليه المرجع والمآب

ہر مسلمان کسی نا کسی کی تکفیر ضرور کرتا ہے۔ محض کسی کو کافر قرار دے دینے سے کوئی تکفیری نہیں بن جاتا۔جب ہم کسی کے لیے لفظ "تکفیری" یا "فتنہء تکفیر" استعمال کرتے ہیں تو اس وقت تکفیر مطلق کی بات عموما نہیں ہوتی بلکہ یہ الفاظ تکفیر معین کے حوالے سے بولے جاتے ہیں یا پھر کبھی کبھار تکفیر مطلق سے متعلق بھی ہوتے ہیں۔

عموما ان سے مراد تکفیر معین ہی ہوتی ہے۔یعنی ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص کی معینہ تکفیر کرے جبکہ اس نے کوئی کفریہ کام بھی نہ کیا ہو یا اگر کفریہ کام کیا ہو تو تکفیر معین کے اصول وقوانین کو ملحوظ رکھے بغیر اور انہیں اپلائی کیے بغیر وہ اس معین شخص کو کافر قرار دے دے تو اس تکفیر کرنے والے کو تکفیری یا فتنہء تکفیر میں مبتلاء قرار دیا جاتا ہے۔

ہاں اگر اس شخص پر تکفیر معین کے اصول وقوانین کا اپلائی کرکے اسکی معینًا تکفیر کی جائے تو ایسا کرنے والا تکفیری نہیں کہلائے گا۔

اور جب کبھی اس سے مراد تکفیر مطلق ہوتی ہے تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ کسی ایسے کام کو کفریہ کام سر انجام دے کر مطلقا تکفیر کی جارہی ہے جسکا کفر ہونا کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے !

برزخی زندگی

از قلم: محمد رفیق طاہر

سب سے پہلے تو اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ عذابِ قبر برحق ہے۔ قبر وبرزخ کے اندر سزا و جزا کا ہونا درست ہے، اللہ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں، مرنے کے بعد قیامت سے پہلے ان کی روحیں ان کے بدنوں میں لوٹا دی جاتی ہیں، انہیں راحت وآرام پہنچتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندے ہوتے ہیں، ان کی روحیں، مرنے کے بعد قیامت سے پہلے ان کے بدنوں میں لوٹا دی جاتی ہیں اور ان کو سزا وعقاب ہوتا ہے۔ قبر و برزخ کے اس عذاب پر یا ثواب وجزا پر بہت سی آیات واحادیث دلالت کرتی ہیں۔

مثلاً: " وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلآئِكَةُ بَاسِطُواْ أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُواْ أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ "

کاش کہ آپ دیکھ لیں جب ظالم لوگ موت کے سکرات میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلانے والے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ اب تم اپنی جانیں نکالو آج تمہیں رسوا کن عذاب دیا جائے گا۔

یعنی جس دن بندے کی روح نکالی جارہی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اسی دن ہی عذاب اس کو دیا جائے گا۔ اور اسی دن قیامت نہیں قائم ہوئی بلکہ یہ قبر وبرزخ والا عذاب ہے۔

عذاب قبر کہاں ہوتا ہے؟

کچھ لوگ ایک اعتراض کرتے ہیں کہ بندہ ابھی فوت ہوا ہے، سامنے اس کی میت پڑی ہوئی ہے، اس کو اگلے دن دفنایا جائے گا، لیکن قرآن مجید فرقان حمید کی یہ آیت کہہ رہی ہے کہ جس دن روح نکلی، اس کے بعد اسی دن عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ چاہے اس دن میت دفن کی جائے یا نہ۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عذابِ قبر تو ہوتا ہے لیکن

اس دنیاوالی قبر میں نہیں، یہ قبر وبرزخ کہیں آسمانوں میں ہے، جہاں پر عذاب ہوتا ہے اور لوگوں کو راحت بھی پہنچائی جاتی ہے۔

یہ اعتراض کرنے کے بعد چند ایک دلائل ایسے بھی پیش کیے جاتے ہیں جن میں مرنے کے بعد جنت کی نعمتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً: اللہ رب العالمین شہداء کے بارہ میں فرماتے ہیں: " أَحْيَاء عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ "[آل عمران: ۱۶۹]

زندہ ہیں، اللہ کے پاس ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

نیز فرمایا: " فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُواْ بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ "اللہ نے جو کچھ اپنے فضل سے دیا ہے یہ لوگ اس پر خوش بھی ہیں۔ ان کو خوشخبریاں بھی دی جاتی ہیں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ شہداء احد کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں میں ہیں، وہ جنت کے جو مرضی پھل چاہیں، کھائیں، خوشہ چینی کریں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ اس قبر کے اندر عذاب اور سزا نہیں بلکہ عذاب کے لیے آسمانوں سے اوپر کوئی برزخ وقبر ہے، جہاں پر اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ اور روح اس جسم کے اندر نہیں لوٹتی، بلکہ اس روح کو ایک نیا جسم دیا جاتا ہے۔

اعتراض کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: " وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ " اس مرنے والے کے درمیان اور دنیاوالوں کے درمیان آڑ اور پردہ ہے۔

نیز فرمایا: " أَحْيَاء وَلَكِن لاَّ تَشْعُرُونَ [البقرۃ: ۱۵۴] " یہ زندہ ہیں، ان کی زندگی کا تمہیں شعور نہیں ہے۔

یعنی یہ غیب کی باتیں ہیں، جن کے بارے میں ہمارا علم صرف اس قدر ہے جس قدر اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتادیا ہے، ایک مؤمن بندے پر لازم ہے کہ

جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا ہے، اس پر غیر مشروط ایمان لائے۔ اس کی سمجھ اور عقل میں کوئی بات آتی ہے، پھر بھی مانے، اس کی عقل اور سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی، پھر بھی مانے۔ یہ ایمان لانے کا تقاضا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: شیطان انسان کے دماغ میں وسوسہ پیدا کرتا ہے، دل کے اندر خیال ڈالتا ہے، فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ شیطان دماغ میں سوال کھڑا کرتا ہے "من خلق الله" تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جب تم ایسا وسوسہ پاؤ تو سمجھ جاؤ کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہیں اس کے شر سے، اس کے وسوسہ سے محفوظ رکھے اور کہو آمنت باللہ

[صحيح مسلم كتاب الإيمان باب بيان الوسوسة من الإيمان (١٣٤)]

یہ ایمان کا بنیادی اصول اور قاعدہ ہے کہ اللہ رب العالمین کے فرامین اور امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرامین کو من وعن، بلا چوں چرا، تسلیم کیا جائے۔ سو اللہ رب العالمین نے جیسی خبر قرآن مجید میں دی ہے، نبی ﷺ نے جیسی خبر حدیث میں دی ہے، ہماری عقل اس کو سمجھنے سے اگر کوتاہ ہے تو ہوتی رہے۔ ہمارا کام ایمان لانا ہے۔ بہت ساری باتیں ایسی ہیں جو انسان کی عقل سے بالاتر ہیں۔ انسان کی عقل چھوٹی سی اور محدود سی۔ اور اللہ رب العالمین کا علم بڑا وسیع ہے، اللہ تعالیٰ کی کائنات بڑی وسیع ہے۔ انسان کی عقل میں سما نہیں سکتی۔

اب دیکھئے! یہ اعتراض کہ قبر میں تو اس کو دفنایا ہی نہیں گیا۔ اور منکرینِ عذاب قبر، جو کہتے ہیں کہ عذابِ قبر ہوتا ہی نہیں، وہ کہتے ہیں کہ کئی بندے ایسے ہیں جن کو قبر ملتی ہی نہیں۔ بم بلاسٹ ہو گیا، چیتھڑے بکھر گئے۔ کسی کو جانور کھا گئے، کسی کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ سمندروں میں بہا دیا گیا، اس کو تو قبر ملی ہی نہیں۔ تو پہلے یہ سمجھ لیں کہ اللہ رب العالمین کے ہاں قبر کیا ہے؟

قبر کیا ہے؟؟؟

اللہ رب العالمین نے قرآن مجید فرقان حمید میں وضاحت کی ہے: " ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ [عبس: ۲۱] " اللہ رب العالمین نے انسان کو زندگی دی اور زندگی کے کچھ عرصہ بعد موت دی تو مرتے ہی اس کو قبر دی۔

موت کس کو آئی ہے؟ انسان کو، جو انسان روح و جسم کا مجموعہ تھا۔ جو زمین پر چلتا تھا تو یہ روح و جسم کا مجموعہ تھا! " ثُمَّ أَمَاتَهُ " اللہ نے جب تک چاہا اس کو زندگی بخشی، پھر کچھ عرصہ بعد اللہ نے اسے موت دی " فَأَقْبَرَهُ [عبس: ۲۱]" پھر اسی روح و جسد کے مجموعے کو اللہ رب العالمین نے قبر عطا کر دی۔

عربی زبان کا اصول ہے "فا" اور "ثم" ان دونوں کا مطلب ہوتا ہے "بعد، پھر" "ثم" کا معنی بھی "پھر" اور "فا" کا معنی بھی "پھر" لیکن تھوڑا سا فرق ہے۔ "ثم" کے اندر لفظ زیادہ ہیں، اس کا معنی ذرا وسیع ہے۔ "تھوڑی سی مہلت" 'ثم' کا معنی ہوتا ہے کہ 'ثم' سے پہلے جو لفظ استعمال ہوا ہے اور بعد میں جو لفظ استعمال ہوا ہے ان دونوں کے درمیان کچھ وقفہ ہے۔ اور 'فا' کا معنی ہوتا ہے کہ 'فا' سے پہلے جو لفظ استعمال ہوا ہے اور جو بعد میں استعمال ہوا ہے ان دونوں کے درمیان وقفہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: ' ثُمَّ ' تھوڑے سے وقفے کے بعد ' أَمَاتَهُ ' اس کو موت دی۔ ' فَ ' موت دینے کے فوراً بعد ' أَقْبَرَهُ ' اس کو قبر دے دی۔

تو نتیجہ کیا نکلا کہ مرنے کے بعد بندے کا جسم اور روح جہاں پر بھی ہو، چاہے وہ چارپائی پر پڑا ہو، چاہے زمین کے نیچے دبا دیا گیا ہو، چاہے ریزہ ریزہ ہو گیا ہو، جل کر راکھ ہو جائے، وہ اس کی قبر ہے۔ مرنے کے بعد بندے کا جسم اور روح جہاں پر ہو گی، وہ اس کے لیے قبر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ [عبس: ۲۱]

مسعود الدین عثمانی اور اسکے پیروکار جس آسمانی برزخ و قبر کے دعویدار ہیں اس میں توانکے زعم کے مطابق صرف مرنے والے کی روح جاتی ہے جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ تو نہیں کہا: 'فاقبر روحه' اللہ نے اس کی روح کو قبر دی،۔ بلکہ فرمایا ہے: فَأَقْبَرَهُ جس کو اللہ نے موت دی ہے اسی کو اللہ نے قبر دی ہے۔ موت روح و جسم کے مجموعہ ایک انسان کو ملی ہے، تو قبر بھی اکیلی روح کو نہیں، اکیلے جسم کو نہیں کیونکہ اللہ نے 'فاقبرروحه' 'فاقبر جسده' نہیں فرمایا یعنی کہ اللہ نے اس کی روح کو قبر دی، یا اللہ نے اس کے جسم کو قبر دی۔ بلکہ فرمایا ہے: " ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ [عبس: ۲۱] " اللہ نے اس روح و جسم کے مجموعہ انسان کو موت دی اور پھر اسی روح و جسم کے مجموعہ کو قبر بھی عطا کی ہے۔ اسی ایک آیت سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ مرنے کے فوراً بعد بندے کا جسم اور روح جہاں پر ہوتی ہے وہ اس کے لیے قبر ہے۔ اور یہ بھی علم ہو گیا کہ مرنے کے بعد بندے کے جسم میں اس کی روح لوٹتی ہے، کیونکہ مرنے کے بعد روح لوٹی ہے تو روح و جسم کے مجموعے کو قبر ملی ہے! اگر روح علیحدہ ہوتی، اور جسم علیحدہ ہوتا تو پھر 'فاقبر روحه واقبر جسده' آنا چاہیے تھا، علیحدہ علیحدہ ہوتی بات۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔

موت کسے کہتے ہیں (موت کی تعریف)

ایک یہ اشکال پیدا کرتے ہیں کہ اگر روح مرنے کے بعد بندے میں لوٹ آتی ہے، پھر تو بندہ زندہ ہو گیا، پھر تو مردہ تو نہ رہا۔ کیونکہ بندے کے جسم میں روح ہو تو بندہ زندہ ہے، روح نہ ہو تو بندہ فوت شدہ ہے۔ اسکی بنیاد انکا یہ اصول ہے کہ: جسم کے اندر روح کی موجودگی کا نام زندگی ہے اور جسم سے روح کے نکل جانے کا نام موت ہے۔

حقیقت میں موت اور زندگی کی یہ تعریف ہی ہے غلط۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ بندے کے جسم میں روح نہیں ہوتی، لیکن بندہ زندہ ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید میں ہی اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ بندے کے جسم میں روح ہوتی ہے اور بندہ مردہ

ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تعریف کرنا موت کی کہ روح کا جسم سے نکل جانا موت ہے، یہ تعریف ہی غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں بیان فرمایا ہے: " اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا "اللہ روحوں کو موت کے وقت بھی نکال لیتا ہے اور نیند کے وقت بھی نکال لیتا ہے

سوئے ہوئے کو مردہ نہیں زندہ ہی مانا جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اللہ سوئے ہوئے کی روح کو نکال لیتا ہے اور حالت نیند میں جس کو موت دینی ہوتی ہے، اس کی روح کو تھوڑی دیر کے لیے روک لیتا ہے۔ جس کو موت نہیں دینی ہوتی، اس کی روح کو واپس جسم میں لوٹا دیتا ہے، جس میں روح واپس آتی ہے تو بندہ جاگ جاتا ہے، بیدار ہو جاتا ہے۔ یعنی نیند کی حالت میں بندے کے اندر روح نہیں ہوتی۔ لیکن کیا وہ مردہ ہے؟ یقیناً نہیں۔ ساری کائنات اس کو زندہ مانتی ہے کہ یہ زندہ ہے، مردہ نہیں ہے۔ لہٰذا موت کی یہ تعریف کرنا کہ روح جسم سے نکل جائے تو موت ہوتی ہے، غلط قرار پاتی ہے۔ موت کی یہ صحیح تعریف نہیں ہے۔

موت کی صحیح تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کی ہے: " أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاء [النحل: ۲۱] " مردہ ہیں، زندہ نہیں۔

یعنی موت کی تعریف یہ ہے: دنیوی زندگی کے ختم ہو جانے کا نام موت ہے۔

دنیوی زندگی کے ختم ہو جانے کا نام موت ہے۔ لہٰذا روح کا جسم میں لوٹ آنا یہ دنیاوی زندگی کو مستلزم نہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بندہ زندہ ہو گیا۔ قیامت سے قبل مرنے والے کے جسم میں روح کا لوٹنا قرآن سے ثابت ہے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ ہے!!!

اعادہ روح پر دوسری قرآنی دلیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: " حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ [المؤمنون : ۹۹] " ان میں سے کسی کو موت آتی ہے، تو وہ کہتا ہے: اے اللہ! مجھے واپس لوٹا دیجئے۔

مرنے کے بعد وہی کہہ رہا ہے جس کو موت آئی ہے۔ تو روح اور جسم کے مجموعے کو آئی تھی۔ کیونکہ جب زندہ تھا تو روح و جسم کا مجموعہ تھا! اکیلا جسم نہیں تھا، نہ ہی اکیلی روح تھی۔ مرنے کے بعد روح اور جسم کا مجموعہ یہ کلمات کہہ رہا ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد روح اور جسم اکھٹے ہوتے ہیں۔ تو روح کا لوٹنا بھی قرآن مجید سے ثابت ہو گیا۔ اس میں اشکال والی بات ہی کوئی نہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ اس کی روح کہتی ہے: مجھے واپس جسم میں لوٹا دو۔ عجیب عجیب قرآن کی تاویل کرتے ہیں۔ سچ کہا تھا کسی نے:

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے کر دیتے ہیں قرآن کو پاژند

اللہ نے یہ تو نہیں کہا کہ جب ان میں سے کسی موت آتی ہے تو 'قال روحہ' اس کی روح کہتی ہے: مجھے لوٹاؤ۔ روح کا لفظ تو اللہ نے نہیں بولا، اپنی طرف سے لگا رہے ہیں۔ اللہ کہہ رہا ہے کہ جس کو موت آئی تھی وہی کہہ رہا ہے کہ مجھے لوٹاؤ تاکہ میں نیک اعمال کروں۔ اللہ فرمائے گا: " كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ [المؤمنون: ۱۰۰] "

ہر گز ایسا نہیں ہو گا ہاں! یہ بول یہ ضرور بولے گا۔ ان کے اور دنیا کے درمیان قیامت تک کے لیے اب ایک آڑ اور برزخ ہے۔ تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے کہ بندے کے جسم میں روح لوٹتی ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے واضح لفظوں میں فرمایا ہے: "فتعاد روحه في جسده ، " بندہ نیک ہو بد ہو، دونوں کی روح مرنے کے بعد جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔

سنن ابی داؤد (٤٧٥٣) ، مسند احمد (٣٨٩، ط:الرسالة)

آسمانی قبر میں جزاء و سزا ہونے کا عقیدہ قرآن و حدیث دونوں کے خلاف ہے!!!

منکرین حدیث کا عقیدہ ہے کہ عذاب و ثواب اس زمین والی قبر میں نہیں بلکہ آسمانوں والی قبر میں ہوتا ہے، اور وہ اس بات کا بہت ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ لیکن انکا یہ عقیدہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ دونوں کے متضاد ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اور جو بد آدمی ہے اس کی روح کو نکالا جاتا ہے، شدت کے ساتھ، سختی کے ساتھ، بدبودار ٹاٹ کے اندر اس کو لپیٹا جاتا ہے۔ اور اس کو آسمانوں پر لے جایا جاتا ہے، آسمانوں کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے، لیکن دروازہ آسمان کا نہیں کھلتا۔ ساتھ ہی نبی ﷺ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت کر دی۔" لاَ تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاء " ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔" وَلاَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ "یہ جنت میں بھی نہ جائیں گے" حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ [الأعراف: ٤٠] " حتی کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں سے داخل ہو جائے۔ جب تک اونٹ سوئی کے سوراخ میں سے داخل نہیں ہو جاتا تب تک نہ تو ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ ہی یہ جنت میں داخل ہو سکیں گے۔ مسند احمد (٣٨٩، ط:الرسالة)

دوسروں پر کفر کے فتووں کی توپ چلانے والے ذرا خود ہوش کے ناخن لیں۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں: " لاَ تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاء وَلاَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ " دونوں کام نہیں ہو سکتے۔ نہ آسمان کے دروازے کھلیں اور نہ یہ جنت میں جائیں۔" حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ "حتی کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ روح کے جسم میں لوٹائے جانے کا عقیدہ ہے رسول اللہ ﷺ کا عقیدہ ہے۔

رزخ کیا ہے؟؟؟

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ برزخ کیا چیز ہے؟

اللہ تعالی کا فرمان ہے: " وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ [المؤمنون: ۱۰۰] " ان کے (یعنی جس کو موت آئی تھی۔ موت کس کو آئی تھی؟ روح و جسم کے مجموعے کو ، اس روح و جسم کے اس مجموعے کے) درمیان اور " رَبِّ ارْجِعُونِ [المؤمنون: ۹۹] " ان کی اس بات کے جواب کے درمیان یعنی دنیا میں لوٹنے کے درمیان آڑ ہے۔ تو برزخ کیا ہے؟ مرنے کے بعد بندے کی روح اور جسم جہاں ہوتا ہے وہی اس کے لیے قبر ہے اور وہی اس کے لیے برزخ ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

ایک اعتراض کہ دنیاوی قبر تو مرقد ہے

عذاب قبر کے منکرین کہتے ہیں کہ اگر قبر میں عذاب ہوتا ہے تو قیامت کے دن مشرکین کہیں گے " يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا " ہمیں ہماری 'مرقد' آرام گاہ سے کس نے بیدار کیا ہے؟ آرام گاہ تو کہا جاتا ہے آرام کرنے کی جگہ کو۔ اگر عذاب ہوتا ہے تو اس کو عذاب گاہ کہنا چاہیے۔ آرام گاہ نہیں کہنا چاہیے۔

اولا: مرقد کا معنی آرام گاہ نہیں ہوتا۔ یہ معنی ہی غلط ہے۔ غلط معنی کر کے اس پر ایک غلط عقیدے کی بناء استوار کیا جا رہی ہے۔ لہٰذا اعتراض ہی غلط ہے۔

ثانیا: فرض کر لیا کہ مرقد کا معنی آرام گاہ ہے، اور یہ قبر آرام گاہ ہی ہے۔ تو اس پر سوال اٹھتا ہے کہ آرام اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے یا نہیں؟ یقیناً نعمت ہے! تو پھر جزا مل

گئی!! اگر مرقد کا معنی آرام گاہ کرتے ہو تو پھر قبر میں جزا تو مل گئی۔ سزا کا تم کہتے ہو کہ نہیں ملتی، جزا تو پھر بھی مان ہی گئے ہو۔ تو جب جزا قبر میں مل سکتی ہے تو سزا کیوں نہیں؟

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ثالثاً: اللہ تعالی نے قرآن مجید فرقان حمید میں قیامت سے پہلے ایک صعقہ یعنی بے ہوشی کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں "وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ" (الزمر:٦٨) ۔یعنی روز محشر صور پھونکا جائے گا۔ تو فورا زمین وآسمان کے تمام تر مخلوق بے ہوش ہو جائے گی سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالی بچالے پھر اسکے تھوڑی دیر بعد دوسرا صور پھونک جائے گا تو سارے ہی کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے۔

اس آیت کریمہ میں دو صوروں کے درمیان ایک بے ہوشی کا تذکرہ ہے۔ کہ پہلے صور کے بعد بے ہوشی ہو گی اور پھر تھوڑی دیر بعد دوسرا صور پھونک جائے گا تو سبھی ہوش میں آجائیں گے۔ یہ لوگ جنہیں سزا مل رہی تھی پہلے صور کے بعد بے ہوش ہوں گے انہیں بے ہوشی کی وجہ سے عذاب کا احساس ختم ہو جائے گا تو جونہی دوسرا صور پھونک جائے گا یہ کہیں گے "من بعثنا من مرقدنا" ہمیں ہماری مرقد سے کس نے اٹھایا ہے۔ مرقد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بندہ سوتا ہے۔ خواہ سوتے میں تکلیف ہو یا راحت وآرام۔ تو یہ بے ہوشی کی وجہ سے اسے مرقد کہہ رہے ہیں۔ خوب سمجھ لیں۔

کیا نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ حنفی تھے؟

از قلم: شاہد نذیر ... کراچی

بعض حقائق کا بعض الناس پر مخفی رہ جانا یا بعض مسائل کی تحقیق میں ٹھوکر کھا کر حقیقت کے برعکس موقف کو اپنا لینا انسان کے غیر کامل اور خطا کا پتلا ہونے کی وجہ سے ایک فطری عمل ہے۔ یہی سبب ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا امام ہو یا چھوٹے سے چھوٹا عالم جمہور سے اختلاف کے نتیجے میں کچھ تفردات رکھتا ہے جو اس کی اجتہادی خطاء اور تحقیق میں درست بات تک نہ پہنچ سکنے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جس پر بہر حال وہ قابل مذمت نہیں ہوتا۔

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ محدث وقت، محقق عصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اہل حدیث کے اکابر نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کو مسلک اہل حدیث سے خارج قرار دیتے ہوئے انہیں غیر اہل حدیث قرار دیا ہے۔ چناچہ لکھتے ہیں:

محمد الیاس گھمن دیوبندی نے اہل حدیث (اہل سنت) کے خلاف ایک کتاب: ''فرقہ اہلحدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ'' لکھی ہے، جس میں وحید الزماں حیدرآبادی، نواب صدیق حسن خان، نورالحسن، حافظ عنایت اللہ گجراتی اور فیض عالم صدیقی وغیرہم جیسے غیر اہل حدیث اشخاص کے حوالے..... (ماہنامہ الحدیث، فروری ۲۰۱۰، شمارہ نمبر ۶۹، صفحہ ۱۶)

نواب صاحب رحمہ اللہ سے حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی بے زاری اور انہیں غیر اہل حدیث قرار دینے کی بنیاد خود نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کے بیٹے سید محمد علی حسن خان کی مندرجہ ذیل تحریر ہے جسے مآثر صدیقی موسوم بہ سیرت والا جاہی سے زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

نواب صدیق حسن خان صاحب ''غیر مقلد'' ہونے کے ساتھ ' 'حنفی'' بھی تھے۔ نواب کا اپنا بیٹا سید محمد علی حسن خان لکھتا ہے: '' سنی خالص محمدی قح موحد بحت متبع کتاب و سنت حنفی مذہب نقشبندی مشرب تھے اور ہمیشہ طریقہ اسلاف پر مذہب حنفی کی طرف اپنے کو منسوب کرتے تھے مگر عملاً و اعتقاداً اتباع سنت کو مقدم رکھتے تھے''(فتاویٰ علمیہ المعروف توضیح الاحکام، ص ۵۳۷، جلد دوم)

نواب صاحب رحمہ اللہ کے بیٹے محمد علی حسن خان نے اس کے علاوہ بھی ایک اور الزام اپنے والد بزرگوار پر عائد کیا ہے جسے انوار خورشید دیوبندی نے بھی اپنی مطلب بر آوری کے لئے اہل حدیثوں پر بطور الزام پیش کیا ہے دیکھئے: نواب صاحب حنفی طریقہ نماز کو اقرب الی السنۃ سمجھتے تھے..... صرف یہی نہیں کہ نواب صاحب حنفی طریقہ نماز کو اقرب الی السنۃ سمجھتے تھے بلکہ وہ نماز پڑھتے ہی حنفی طریقہ کے مطابق تھے۔ چناچہ نواب سید علی حسن خان فرزند صاحب سوانح لکھتے ہیں۔ ''والا جاہ مرحوم نماز پنجگانہ حنفی طریقہ پر پڑھتے تھے'' (حدیث اور اہل حدیث، صفحہ ۸۴)

نواب محمد علی حسن خان کے یہ الزامات جو انہوں نے اپنی تصنیف مآثر صدیقی موسوم بہ سیرت والا جاہی میں اپنے والد محترم پر عائد کئے ہیں اس قدر غیر حقیقی اور خلاف واقع ہیں کہ ایک عرصے تک علمائے اہل حدیث نے نہ تو اس جانب التفات کیا اور نہ ہی ان بے بنیاد الزامات کے جواب دینے کی کوئی ضرورت محسوس کی۔ لیکن جب بعض لوگوں کی جانب سے ان الزامات کو اچھالا گیا تو مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قلم اٹھایا اور دلائل کے ذریعے ان کمزور الزامات کو بالکل بے وزن کر کے رکھ دیا۔

چونکہ نواب صاحب رحمہ اللہ کا اہل حدیث ہونا اہل حدیث اور غیر اہل حدیث ہر دو کے درمیان ایک غیر متنازعہ اور اتفاقی امر ہے اس لئے صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی نسبت حنفی

مذہب کی طرف کرنا اکثر لوگوں کے لئے نہایت حیرت کا باعث ہے۔ اسی بات کو بیان کرتے ہوئے مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: آج اہلحدیث ہی نہیں، احناف میں بھی حضرت نواب صاحب قدس سرہ کا مسلکاً اہلحدیث ہونا اتنا مشہور اور معروف ہے کہ شاید بہتوں کو اس پر تعجب ہو گا کہ اس عنوان پر گفتگو کرنے کی ہم نے ضرورت کیوں محسوس کی؟ (اھلحدیث اور سیاست، ص۱۳۸)

ویسے تو صدیق حسن خان رحمہ اللہ کے اہل حدیث مسلک سے تعلق پر اہل حدیث اور غیر اہل حدیث کا اتفاق و اتحاد ہی اس اعتراض (صدیق حسن خان حنفی المذہب تھے) کو دور کر دینے کے لئے کافی ہے۔ لیکن یہاں ہم ان الزامات کا جنھیں محمد علی حسن خان نے مآثر صدیقی میں درج کیا ہے اور جو بہت سے لوگوں بشمول محدث وقت، محقق عصر جناب حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے لئے غلط فہمی کا باعث بنے ہیں ترتیب وار تفصیلی جائزہ لیں گے۔ ان شاء اللہ

پہلا الزام: نواب صدیق حسن خان حنفی المذہب تھے۔

یہ الزام یا دعویٰ اوّل تو اس لئے نہایت کمزور ہے کہ نواب محمد علی حسن خان مرحوم جنھوں نے یہ الزام اپنے والد پر عائد کیا اپنے اس الزام یا دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے کوئی ایسی خاطر خواہ چیز پیش کرنے سے بالکل قاصر رہے جسے دلیل کہا جاسکے۔ جبکہ بنا کسی ثبوت کہ محض ان کا اپنا بیان اس قابل نہیں کہ دلیل بن سکے اور وہ بھی اس خاص صورت میں کہ جب موجود دلائل اس دعویٰ کے برخلاف ہوں۔ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کثیر تصنیفات اپنے پیچھے چھوڑ کر گئے ہیں جو ان کے اہل حدیث ہونے پر گواہ ہیں۔ اسی لئے مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ نے بھی نواب صاحب پر اس الزام کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں :

نواب صاحب کی تالیفات، ان کے مضامین اور تحریروں کا جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے ان کی بنیاد پر..... ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ "سیرت والا جاہی" کے یہ دونوں بیان غلط اور نا قابل اعتبار ہیں۔ (اھلحدیث اور سیاست، صفحہ ۱۳۹)

مذہب حنفی میں لوگوں کی مذہبی لحاظ سے صرف دو حیثیتیں ہیں ایک مجتہدانہ حیثیت اور دوسری مقلدانہ حیثیت۔ جو حنفی دعویٰ اجتہاد نہ رکھتا ہو اس کے لئے دین پر عمل کے لئے تقلید کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ صدیق حسن خان رحمہ اللہ جو کہ خود ان کے بیٹے کے دعویٰ کے مطابق خود کو حنفی کہتے تھے مجتہد تھے یا مقلد؟

اپنی خود نوشت میں صدیق حسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے مجتہد ہونے کا دعویٰ ہے نہ مجدد ہونے کا.... کیوں کہ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ مجھ میں کوئی شرط اجتہاد، کوئی صورت تجدید اور کوئی وصف مولویت موجود نہیں ہے۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن، صفحہ ۱۲۰)

معلوم ہوا کہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ مجتہد نہیں تھے اور نہ ہی بزعم خود ایسا کوئی دعویٰ رکھتے تھے۔ نواب صاحب کے بحیثیت حنفی ہونے کے اب صرف ایک صورت باقی رہتی ہے کہ نواب صاحب رحمہ اللہ مقلد ہونگے۔ لیکن ان کی خود نوشت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقلد بھی نہیں تھے کیونکہ ان کے نزدیک کسی شخص کی تقلید کرنا اسے نبی بنانے کے مترادف ہے۔ چناچہ رقم طراز ہیں :

یعنی تقلید اس کو کہتے ہیں کہ آدمی دوسرے شخص کی بات کو حلت و حرمت کے سلسلہ میں بلا دلیل و نص شارع قبول کرلے۔ سو یہ بات ظاہر ہے کہ سب مسلمان آنحضرت ﷺ کی امت ہیں اور کسی شے کی حلت و حرمت آپ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی تو اتباع آپ ہی کا چاہیے کسی اور شخص کا نہیں۔ ورنہ اسے پیغمبر ماننا پڑے گا۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن، صفحہ ۱۱۶)

تقلید کو صدیق حسن خان رحمہ اللہ مشرکین کا فعل قرار دیتے تھے۔ دیکھئے لکھتے ہیں:

الخصوص جب کہ تمام کتاب اللہ میں اس تقلید کذائی کے جواز میں ایک حرف بھی نہیں ملتا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کو اہل کتاب و مشرکین کا طرز عمل بیان کرکے اسکی تردید فرمائی ہو۔(ابقاء المنن بالقاء المحن، صفحہ ۱۱۸)

نواب صاحب رحمہ اللہ نے خود بھی تقلید کے رد میں بہت کچھ تحریر کیا ہے جیسا کہ وہ خود بیان کرتے ہیں: الحمد اللہ میں نے آج تک کسی مقلد مذہب کو بالتخصیص برا نہیں کہا، اگرچہ رد تقلید میں بہت کچھ لکھا ہے۔(ابقاء المنن بالقاء المحن، صفحہ ۱۱۹)

صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے اپنے مقلد ہونے کا صاف صاف انکار کرتے ہوئے لکھا ہے: پھر بھلا جو شخص ائمہ سلف کی تقلید نہیں کرتا۔ وہ ائمہ خلف کی تقلید کیوں کرنے لگا؟ (ابقاء المنن بالقاء المحن، صفحہ ۱۹۱)

نواب صاحب اہل الحدیث تھے...!

ان حوالاجات کے بعد تو نواب صاحب رحمہ اللہ کا مقلد ہونا بعید از امکان ہے۔ اور ان کا مجتہد مطلق نہ ہونا بھی خود ان ہی کی تحریر سے ثابت کیا جاچکا ہے۔ مذکورہ تفصیل کے بعد ایک طرف تو ان پر غیروں کا لگایا ہوا یہ الزام کے نواب صاحب رحمہ اللہ حنفی تھے، غلط اور جھوٹا ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ مقلد نہیں تھے اور نہ ہی مجتہد تھے تو پھر کون تھے ؟!

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے میرے والد کو خالص سنی و محمدی بنایا۔ اس ملک میں اہل حدیث بہت کم ہوئے ہیں۔(ابقاء المنن بالقاء المحن، صفحہ ۱۱۶)

صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی صراحت کے مطابق ان کے والد بزرگوار اہل حدیث تھے اور خود صدیق حسن خان رحمہ اللہ بھی اسی مسلک پر کاربند تھے جیسا کہ خود ان کی تحریروں سے جابجا اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ مجھے وہ مذہب پسند ہے جو دلائل کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح، قوی اور احوط ہو۔ اور اس بات کو میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اہل علم کے اقوال کے مقابلہ میں کتاب و سنت کے دلائل کو ترک کر دیا جائے۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن، صفحہ ۶۴)

۲۔ قصہ مختصر یہ کہ میں متبع ہوں مبتدع نہیں، اور یہ بھی دلیل کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں۔ اس لئے کہ امت کو ظاہری اور باطنی اعتبار سے کتاب و سنت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اللہ کے رسول کے سوا کوئی متبوع نہیں ہے۔ امت کے جس قدر علماء و مشائخ ہیں، ان کے اقوال مقبول بھی ہیں اور مردود بھی۔ اگر کوئی بات رد نہیں کی جاسکتی تو وہ صرف خدا کا ارشاد اور حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے۔ پس متبع سنت بلا شک و شبہ افضل ہے اور مقلد (اگر مشاقق خدا اور سول نہیں تو) مفضول ہے۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن، صفحہ ۶۶)

۳۔ میں اظہار حق میں کسی یار و اغیار کا لحاظ نہیں کرتا۔ میرا دل اتباع سنن پر مطمئن ہے اور شک و شبہ کی کوئی گرد میرے دامن خاطر پر نہیں جمتی۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن، صفحہ ۷۳)

۴۔ میری اہل علم و دین کی خدمت میں گزارش ہے کہ میری کتاب کا جو مسئلہ کتاب و سنت کی صحیح نص کے خلاف ہو اسے اٹھا کر دیوار پر مار دیں اور جو مسئلہ قرآن و حدیث کے موافق ہو اسے قبول کر لیں۔ میں ان شاء اللہ اس رد سے خوش دل ہوں گا۔ (ابقاء المنن، صفحہ ۱۳۲)

دل پر ہاتھ رکھ کر کہیے کہ کیا یہ کلام کسی حنفی کا ہو سکتا ہے؟؟؟!!! حاشا و کلا بلکہ یہ تو ایک متبع سنت یعنی ایک اہل حدیث کا کلام ہے۔ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کے مسلکاً اہل حدیث ہونے کا ایک قوی ثبوت یہ بھی ہے کہ ان پر مقلدوں کی جانب سے وہی الزامات عائد کئے گئے جو عام طور پر کسی اہل حدیث پر عائد کئے جاتے ہیں:

۱۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کی تقلید کا الزام

۲۔ ائمہ اربعہ خصوصاً امام ابو حنیفہ کی گستاخی کی تہمت

۳۔ تہمت وہابیت

۴۔ اولیا اللہ کے منکر ہونے کا بہتان

ان تمام الزامات کا انکار اور سخت تردید کر کے نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے انہیں بالکل بے بنیاد قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں ابقاء المنن بالقاء المحن یعنی خود نوشت، سوانح حیات نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ، صفحہ نمبر ۲۰۰، ۱۹۳، ۱۹۱، ۱۹۰

اب آخر میں ایک فیصلہ کن دلیل عرض ہے جو تمام شکوک شبہات اور بے بنیاد الزامات کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ مگر اس سے پہلے عرض ہے کہ انسان کی ذات سے متعلق کسی مسئلہ میں خود اسی شخص کا بیان و اقرار ہی حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے اور اس شخص کے بارے میں دوسروں کی گواہی خصوصاً جب وہ اس متعلقہ شخص کے بیان کے خلاف ہو، نا قابل قبول اور نا قابل التفات ٹھہرتی ہے۔ جیسا کہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ اپنی خود نوشت تحریر کرنے کی دو مقاصد میں سے ایک وجہ اور مقصد یہ بتاتے ہیں: اپنے متعلق لوگوں کے بعض اوہام کا ازالہ مطلوب ہے۔ کیوں کہ ہر انسان کو اپنے متعلق جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یقینی ہوتا ہے اور جو کوئی دوسرا بیان کرتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہ (سورہ القیامۃ:۱۴)

بلکہ انسان کو اپنے آپ کا خوب پتا ہے اگرچہ کتنے عذر پیش کرتا رہے۔

اور حدیث میں آیا ہے۔

"فلیقل احسبہ کذا او اوظنہ کذا ولا یزکی علی اللہ احدا ھو اعلم بمن اتقی"

پس انسان کو دوسرے کے بارے میں یہ کہنا چاہیے کہ میں اسے ایسا خیال یا گمان کرتا ہوں اور اسے اللہ کے ہاں کسی کی (یقینی) صفائی نہیں پیش کرنی چاہیے۔ وہ خود ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔ متفق علیہ (ابقاء المنن، صفحہ ۱۶ تا ۱۷)

صدیق حسن خان رحمہ اللہ کا مسلک کیا تھا؟ کیا وہ ہمیشہ حنفی مذہب کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے جیسا کہ ان پر الزام ہے؟ چونکہ یہ ان کا ذاتی معاملہ تھا لہذا اس معاملے میں خود نواب

صاحب رحمہ اللہ کا اقرار اور گواہی ملاحظہ فرمائیں: مجھے ان کی حرکات بے برکات پر تعجب ہے کہ یہ اپنی جہالت، خباثت اور شرک و بدعت میں کس موحد کو پھانسنا چاہتے ہیں۔ ان احمقوں نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ میں تو مشہور اہل حدیث ہوں۔ (ابقاء المنن، صفحہ ۲۱۶)

الحمدللہ۔ نواب صاحب رحمہ اللہ جب خود اپنے آپ کو اہل حدیث قرار دے رہے ہیں تو کسی غیر کی گواہی صدیق حسن خان رحمہ اللہ کے حق میں کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے؟؟؟ اور خاص بات تو یہ ہے کہ خود صدیق حسن خان کی تحریر سے اس بات کا ثبوت تو دور کی بات ہے شائبہ تک نہیں ملتا کہ وہ متبع سنت کے بجائے حنفی تھے۔ پھر حنفی ہونے کا بہتان ان پر کیسے درست ہو سکتا ہے؟!

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں: واللہ باللہ اگر میں اصطلاحی معنوں میں وہابی ہوتا تو کبھی بھی اسے نہ چھپاتا خواہ مجھ پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا لیکن جب میں خالص محمدی اور صرف سنی ہوں تو مجھے جھوٹ بولنا کب روا ہے! (ابقاء المنن، صفحہ ۱۹۵)

اس عبارت سے واضح ہے کہ اگر نواب صاحب رحمہ اللہ حنفی ہوتے تو یقیناً اس کا کھل کر اظہار فرماتے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتے۔ لیکن جب وہ حنفی تھے ہی نہیں تو اس کا اقرار چہ معنی دارد؟!

دوسرا الزام: نواب صدیق حسن خان حنفی طریقہ پر نماز پڑھتے تھے۔

اس الزام کی حیثیت بھی بہتان سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ نواب صاحب نے نماز کے موضوع پر ایک کتاب بنام تعلیم الصلوٰۃ لکھی ہے جس میں نماز کا وہی طریقہ نقل کیا ہے جو احادیث سے ثابت شدہ ہے جس پر اہل حدیث عمل پیرا ہیں۔ حتی کہ نواب صاحب رحمہ اللہ نے احناف اور اہل حدیث کے درمیان نماز کے اختلافی مسائل میں احناف کے شبہات کا جواب بھی دیا ہے۔ اس بڑھ کر اس بات کی کوئی اور دلیل کیا ہو گی کہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ حنفی طریقے پر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی مزید

وضاحت کے لئے مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کا تحقیقی جواب نقل کر دیا جائے۔ ملاحظہ فرمائیں:

اسی طرح نواب صاحب مرحوم کی کتابوں کی روشنی میں ہم اس بیان کو بھی ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں کہ والاجاہ مرحوم نماز پنجگانہ حنفی طریقہ پر پڑھتے تھے ''سیرت والاجاہی'' کے حصہ چہارم کے آخر میں خود اسی کے مصنف نے نواب صاحب کی مولفہ کتابوں کی ایک طویل اور مفصل فہرست پیش کی ہے۔ یہ فہرست انھوں نے کتابوں کے ناموں کے پہلے حرف کو ملحوظ رکھکر حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کی ہے اور اللہ کی شان ہے کہ ''حرف الالف'' سے لے کر ''حروف الیاء المثنۃ تا'' تک ہر حرف کے ذیل میں نواب صاحب کی تالیفات موجود ہیں۔ چناچہ ''حرف التاء'' کے ماتحت ''تعلیم الصلوٰۃ'' کو بھی انھوں نے نواب صاحب کی تالیفات میں شمار کیا ہے جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ تقریباً بیس صفحوں کا یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں طہارت اور نماز کے کچھ مسائل بالاختصار مذکور ہیں۔

مصنف ''سیرت والاجاہی'' کے مذکورہ بالا بیان کو پیش نظر رکھ کر جب ہم نے اس رسالہ کا مطالعہ کیا تو ہمیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اس باب میں احناف اور اہلحدیث کے مابین جن جن مسائل میں اختلاف مشہور ہے ان سب میں نواب صاحب نے اہلحدیث ہی کے مسلک کو اختیار کیا ہے کسی ایک مسئلہ میں بھی انہوں نے حنفی مذہب کی موافقت نہیں کی ہے۔(اھلحدیث اور سیاست، صفحہ ۱۵۰)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محمد علی حسن خان کے اپنے والد بزرگوار نواب صدیق حسن خان پر لگائے گئے دونوں الزامات دلائل سے جھوٹے ثابت ہوئے۔ ہمیں نہیں معلوم کے ایک جھوٹے شخص نواب محمد علی حسن خان کی گواہی جو اس نے اکابر اہل حدیث نواب صدیق حسن خان کے بارے میں دی محترم حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے کس بنیاد اور دلیل کی بنا پر قبول کی؟؟؟!!!

راقم الحروف کے نزدیک غالباً اس گواہی کے قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے نزدیک نواب محمد علی حسن خان اہل حدیث تھا کیونکہ دوران استفسار موبائل فون پر ایک مرتبہ شیخ نے اس مسئلہ پر مجھے بتایا کہ مآثر صدیقی کا مصنف محمد علی حسن خان اہل حدیث ہے۔ لیکن تلاش بیسار کے باوجود بھی ہمیں نواب محمد علی حسن خان کے اہل حدیث ہونے کی کوئی دلیل نہیں ملی البتہ اس کے برعکس دلیل ملی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد علی حسن خان غیر اہل حدیث تھا۔ دیکھئے:

نواب صاحب جب زیادہ بیمار پڑے تو آپ کی صاحبزادی نواب صفیہ جہاں بیگم نے ایک معتمد کالے خاں کو کچھ تحفے دے کر حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی خدمت میں دعائے صحت کے لیے بھیجا، حضرت مولانا نے براہ راست نواب صاحب کو ایک خط بھیجا، جس میں لکھا تھا کہ آپ ہر گز نہ گھبرائیں، آپ کے لئے قطعی جنت ہے۔ یہ خط نواب صاحب کو دکھایا نہیں گیا۔ نواب نورالحسن خاں صاحب نے اس خط کو پڑھا تو بجائے افسردہ ہونے کے ہنسے۔ کیوں کہ اس خط میں گویا نواب صاحب کے انجام بالخیر ہونے کی بشارت تھی۔ نواب نورالحسن خاں صاحب اور نواب علی حسن خاں صاحب دونوں حضرت مولانا کے مرید ہوگئے تھے۔ اول الذکر پر فقر بہت غالب تھا.....! (منقول از ہفت روزہ "الاعتصام" ۱۲ ۔اکتوبر ۱۹۵۰ء)

نواب صاحب رحمہ اللہ کو قطعی جنت کی خبر (جس کا تعلق خاص علم غیب سے ہے) دینے والے فضل الرحمن گنج مراد آبادی وہی ہیں جن کے ایک معتقد اور مرید متنازعہ نواب وحید الزماں بھی تھے۔ اور صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے دونوں بیٹے نواب نورالحسن خان اور نواب علی حسن خان بھی اسی حنفی بزرگ کے مرید ہوگئے تھے۔

حیرت کا مقام ہے کہ ایک مشکوک غیر اہل حدیث نواب علی حسن خان کی گواہی اور بے دلیل دعویٰ ایک ایسے شخص (نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ) کے خلاف دلیل کیسے بن

گیا جس کا اہل حدیث ہونا ناقابل تردید دلائل سے ثابت اور اپنوں اور غیروں کے درمیان غیر متنازعہ ہے!!!

نواب صاحب رحمہ اللہ کے ایک بیٹے نواب نورالحسن خان کو خود حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے بھی غیر اہل حدیث اور اس کی کتابوں کو مردود قرار دے رکھا ہے۔دیکھئے :

ا۔اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ وحید الزماں و نورالحسن و نواب صدیق حسن خان کی کتابیں تمام اہل حدیث علماء و عوام کے نزدیک غلط و مسترد ہیں۔(دین میں تقلید کا مسئلہ، صفحہ ۵۸)

۲۔ وحید الزماں حیدرآبادی، نواب صدیق حسن خان، نورالحسن، حافظ عنایت اللہ گجراتی اور فیض عالم صدیقی وغیرہم جیسے غیر اہل حدیث اشخاص کے حوالے اور بعض اہل حدیث علماء کے کچھ شاذ و غیر مفتی بہا اقوال پیش کر کے مسلک حق کے خلاف پروپیگنڈا کیا ہے۔(ماہنامہ الحدیث، فروری ۲۰۱۰، شمارہ نمبر ۶۹، صفحہ ۱۶)

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ اور ان کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹا نواب نورالحسن خان تو غیر اہل حدیث اور ایک بیٹا نواب علی حسن خان اہل حدیث۔آخر کیوں؟؟؟!!!

پاکستانی عدلیہ وحکام کافر ہیں؟

ازقلم : جابر علی عسکریؔ

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اور اسکو زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی سُجھایا ہے۔ اصول وضوابط اور قوانین واحکام وضع کیے ہیں جن کے مطابق زندگی گزارنا بنی آدم کے لیے ضروری ہے۔ اگر انسانیت ان احکامات کو ملحوظ نہ رکھے تو انکی دنیوی زندگی بھی اجیرن ہو جاتی ہے اور اخروی زندگی میں بھی عذاب الیم ہی انکا مقدر ٹھہرتا ہے۔ لیکن ان میں سے کچھ اوامر ایسے ہیں کہ جنکی خلاف ورزی کرنے پر اللہ تعالی ناراض تو ہوتا ہے لیکن ایسے لوگوں پر اسکا غصہ جلدی یا کچھ دیر میں ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور ایسے لوگ ہی بالآخر جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ یا پھر کچھ لوگوں نے اپنے رب کو اس قدر منالیا ہو گا کہ انکی لغزشوں سے اللہ انکے اعلی ترین اعمال کی وجہ سے درگزر فرمائے گا اور انہیں سیدھا جنت میں داخل فرمادے گا۔ یعنی اگر کوئی مسلمان کفر وشرک سے بچتے ہوئے اللہ تعالی کے بعض احکامات میں نافرمانی بھی کر لیتا ہے تو اگر اس کے دل میں ایمان ہے تو بہر حال وہ جنت کا مستحق ضرور ٹھہرے گا۔ اللہ تعالی کے قوانین اور احکامات کے خلاف فیصلہ کرنے والا شخص، خواہ قاضی ہو، حکمران ہو، امیر ومدیر ہو، اپنے گھر کا سربراہ ہو، یا کوئی اور شخص، اگر وہ مؤمن ہو، اور اللہ تعالی کے احکامات خلاف فیصلہ کرنا وہ اپنے حلال نہ سمجھتا ہو، لیکن جہالت ونادانی میں ایسا کر رہا ہو، یا اپنے کیے گئے فیصلہ کو اللہ کے حکم سے افضل وبہتر نہ سمجھتا ہو، لیکن اپنی کسی مجبوری یا کج فہمی کی بناء پر خلاف شرع فیصلہ نافذ کیے ہوئے ہو، یا اپنے بنائے گئے قوانین کو اللہ کے قوانین کے مساوی اور برابر نہ قرار دیتا ہو

بلکہ اپنے فیصلوں کو خدائی فیصلوں کے مقابلہ میں ہیچ ہی سمجھتا ہو، یا اللہ کے احکامات کا انکار نہ کرے اور انہیں نہ جھٹلائے اور نہ ہی اپنے فیصلہ کو اللہ کا فیصلہ قرار دے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، ہاں عند اللہ مجرم ضرور بن جاتا ہے کہ اس نے ایک حرام کام کا ارتکاب کیا ہے۔

ایسی صورت میں اگر تو فیصلہ کرنے والے نے کسی کو نقصان پہنچانے کی خاطر یا اسکی محبت میں اسے فائدہ پہنچانے کی خاطر خلاف شرع فیصلہ کر دیا ہے تو ایسا شخص حکم الٰہی کے مطابق ظالم قرار پاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی خواہشات نفس کا اسیر ہو کر احکامات الٰہی کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو وہ فاسق و گنہگار ہے۔ لیکن عصر حاضر میں کچھ ناعاقبت اندیش لوگوں نے شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والے حکام وعدلیہ کو بلا تفریق کافر اور طاغوت کہنا شروع کر دیا ہے (انصارانِ طاغوت: ص ۱۶)۔ جبکہ انکے اپنے فقہاء و مجتہدین جو شریعت اسلامیہ کے خلاف فتوے دیتے رہے ہیں انہیں اجتہادی غلطی کی سہولت مہیا کر کے عین مسلمان سمجھتے ہیں، حالانکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ملک پاکستان میں نافذ قوانین فقہ حنفی کے عین مطابق ہیں، حتی کہ فقہ حنفی میں جتنے فیصلے کتاب و سنت کے صریح احکامات کے خلاف ہیں شاید اتنے فیصلے پاکستان کے قانون میں خلاف شریعت نہیں۔ بلکہ وہ خود بھی اپنے نجی معاملات میں بے شمار خلاف شریعت فیصلے کرتے ہیں اور کبھی اسے اپنی مجبوری قرار دیتے ہیں تو کبھی ذاتی سستی سے تعبیر کرتے ہوئے عملی کوتاہی کا نام دیتے ہیں۔ یعنی اگر خود یا انکے فقہاء و مفتیان شریعت کے خلاف فیصلہ دیں تو وہ کامل ایمان والے مؤمن قرار پاتے ہیں، لیکن اگر یہی غلطی کسی جج یا حکومت کی طرف سے ہو جائے تو اسے طاغوت قرار دیے بغیر انہیں چین نہیں آتا۔ حالانکہ خلاف شریعت فیصلہ کرنا صرف اس صورت میں کفر بنتا ہے جب فیصلہ کرنے والا اس خلاف شرع فیصلہ کو حکم الٰہی قرار دے، یا شرعی فیصلہ سے

بہتر یا برابر سمجھے یا شریعت کے فیصلہ کو جھٹلا دے یا اسکا انکار کر دے۔ اور ایسا کرنے والا خواہ کوئی بھی ایک عام آدمی ہو یا حکمران یا قاضی، تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ بصورت دیگر کوئی بھی شخص احکامات الہیہ کے منافی فیصلہ کر کے کفر کا مرتکب نہیں بنتا۔

پھر اگر کوئی شخص کسی کفریہ کام کا ارتکاب کر بھی لے اس خاص شخص کو کافر یا مرتد اس وقت تک قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کسی خاص آدمی کو کافر قرار دینے کے لیے شریعت نے جو قانون مقرر فرمائے ہیں ان پر عمل درآمد نہ کر لیا جائے۔ اور طاغوت تو کائنات کا سب سے بڑا کافر ہوتا ہے۔ یعنی اکثر صورتوں میں تو خلاف شریعت فیصلہ کرنا کفر ہی نہیں ہے، اور جن صورتوں میں کفر ہے ان میں بھی کسی خاص شخص کو کافر قرار دینے کے لیے نہایت ہی باریکی کے ساتھ تحقیق کرنا ہوتی ہے اور پھر جب اسکا کفر ثابت ہو جائے تو اس پر حجت قائم کر کے اسے کافر قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن تعجب ہے ان جوشیلے فتوی بازوں پر جو بیک جنبش قلم اپنے سوا سب کو کافر بنانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اس مختصر رسالہ میں ہم یہی مسئلہ سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ خلاف شریعت فیصلہ کرنے والا کون شخص کافر ہے اور کون کافر نہیں ہے۔ اور اسے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور ائمہ دین کے اقوال سے مزین کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

خلاف شریعت فیصلہ کرنے والوں کا شرعی حکم

اللہ سبحانہ وتعالی نے قرآن مجید فرقان حمید میں ایسے لوگوں کے لیے تین مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں جو شریعت کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں:

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدة : ٤٤)

جو بھی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ **کافر** ہیں

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (المائدة : ٤٥)

جو بھی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ **ظالم** ہیں
وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (المائدة : ٤٧)
جو بھی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ **فاسق** ہیں

یعنی خلاف شریعت فیصلہ کرنے والے کافر یا ظالم یا فاسق یعنی گنہگار ہوتے ہیں۔ لہذا ہر ایسے شخص کو جو خلاف شریعت فیصلہ کرے، کافر قرار دے دینا درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالی نے ایسے افراد کو تین مختلف نام دیے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے کس قسم کے افراد خلاف شرع فیصلہ کرنے کی بناء پر کافر بنتے ہیں اور کون سے لوگ ہیں جو ظالم یا فاسق ٹھہرتے ہیں۔

اور اس دوران یہ بات بھی خاص توجہ طلب ہے کہ اللہ رب العالمین نے حکمران، قاضی، فقیہ، یا کسی عامی کے مابین فرق نہیں کیا، بلکہ تمام تر انسانوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے یعنی کافر، ظالم اور فاسق۔ لہذا کسی بھی شعبہء زندگی سے تعلق رکھنے والا شخص کیوں نہ ہو وہ خلاف شریعت فیصلہ کرنے کی بناء پر کافر بھی ہو سکتا ہے، ظالم بھی ہو سکتا ہے اور فاسق بھی۔ اور پھر فیصلوں میں اللہ تعالی نے یہ فرق نہیں کیا کہ کس شعبہء زندگی سے متعلق فیصلہ کفر ہے، یعنی فیصلہ خواہ عقائد سے متعلق ہو، عبادات سے متعلق ہو، معاملات سے تعلق رکھتا ہو، یا حدود اللہ کے بارہ میں ہو، بہر صورت وہ کفر بھی ہو سکتا ہے، ظلم بھی اور فسق یعنی گناہ بھی!

امام الانبیاء جناب محمد مصطفی ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں بھی لوگ خلاف شرع فیصلہ کر لیتے تھے کبھی اپنی ذات کے لیے تو کبھی کسی دوسرے شخص کے بارہ میں، ان فیصلوں میں سے اکثر کو اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے ظلم یا فسق ہی قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:
الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (الأنعام: ۸۲)

وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم ساتھ نہ ملایا تو انہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ہم سے کون ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ظلم سے مراد شرک اکبر ہے (صحیح بخاری:۶۹۳۷)۔

یعنی اللہ تعالی کی معصیت خواہ کسی بھی پیمانے پر ہو وہ ظلم قرار پاتی ہے، اور اگر یہ نافرمانی شرک اکبر کی صورت میں ہو تو انسان کو ملت اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی غلطیوں کا اعتراف فرما رہے ہیں کہ بتقاضہ بشریت ہم سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے اور اسے انہوں نے لفظ ظلم سے تعبیر کیا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جس نے اپنی لونڈی کو ناجائز سزا دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سمجھایا تو اس نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا تھا (صحیح مسلم:۵۳۷)۔ اب اس شخص کی حیثیت اپنی لونڈی کے لیے ایک حکمران کی سی تھی لیکن اس نے اپنی لونڈی کو سزا دینے کا جو غلط فیصلہ کیا، وہ کفر نہیں تھا بلکہ ظلم تھا۔ ایسے ہی سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج تمتع (حج اور عمرہ اکٹھا) کرنے سے منع کر دیا تھا (جامع الترمذی:۸۲۳) اور یہ فیصلہ بھی یقیناً درست نہ تھا، اور انہوں نے بعد میں اس سے رجوع بھی فرما لیا تھا۔ اسی قسم کے اور بھی بہت سے فیصلے ایسے ملتے ہیں جو شرعی احکامات کے منافی تھے لیکن فیصلہ صادر کرنے والے کو نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر قرار دیا اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان پر کوئی ایسا فتوی لگایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات انسان لاعلمی، یا اجتہادی غلطی، یا کسی مصلحت یا لالچ کے تحت غلط فیصلہ کر بیٹھتا ہے تو وہ کفر نہیں ہوتا۔

اسی بناء پر علمائے اسلام نے بھی متفقہ طور پر یہ بات کہی ہے کہ جب کوئی شخص خلاف شریعت فیصلہ کرتے ہوئے یہ سمجھے کہ اسکا فیصلہ شریعت سے بہتر ہے، تو ایسا آدمی کافر ہو جاتا ہے اور ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص شرعی فیصلہ کو بہتر

، اور افضل سمجھتا ہو، لیکن کسی سے انتقام لینے کی خاطر خلاف شرع فیصلہ دے دے تو وہ کافر نہیں بلکہ ظالم ہو گا۔ اور اگر کسی کی محبت یا رشوت وغیرہ کی لالچ میں اسے فائدہ پہنچانے کی خاطر وہ شریعت مخالف فیصلہ کرے تو وہ فاسق ہو گا۔ یہی بات شیخ ابن عثیمین نے مجموع فتاوی ورسائل میں ج ۲ ص ۱۴۰-۱۴۷ پر کہی ہے، اور سعودیہ کی دائمی فتوی کمیٹی کے فتوی نمبر ۵۷۴۱، ۵۲۲۶ میں بھی یہی بات موجود ہے۔ اور تمام تر متقدمین مفسیرین نے بھی ان آیات کی تفسیر میں یہی وضاحت فرمائی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف نے شریعت اسلامیہ کے منافی قوانین وضع کرتے ہوئے:

صدر کو سزاؤں سے مستثنی قرار دیا (ہدایہ شریف، ج۴ص۹۹ ، ط: البشری)

شاتم رسول ﷺ سے حد کو ختم کیا (ہدایہ، ج۲ص۵۹۸، عالمگیری، ج۲ص۲۵۳)

پیسے دے کر زنا کرنے کو جائز قرار دیا(عالمگیری ،ص:۱۴۹، ج:۲، البحر الرائق ،ص:۳۰، ج:۵)

گونگے بہرے کو ہم قسم حدود معاف کر دیں (فتاویٰ عالمگیری، ص:۱۴۹، ج:۲)

دار الحرب میں عام زنا کر کے آنے والے پر حد کو ساقط قرار دیا(عالمگیری، ص:۱۴۹، ج:۲،)

کتابوں (الھدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ وما لا یقطع،ص:۱۴۶، ج:۴ط البشریٰ)

اور قرآن مجید کی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہ کاٹنے کا قانون پاس کیا

(الھدایۃ ص:۱۴۴، ج:۴، فتاویٰ عالمگیری، ص: ۱۷۷، ج:۲)

بردہ فروش (بچے اغواء کر کے بیچنے والے) پر حد کو ختم کر دیا (ص:۱۴۵، ج:۴، مکتبہ البشریٰ)

مساجد سے چوری کرنے کو جائز بنا دیا

(الھدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ، ص:۱۴۴-۱۴۵، ج:۴)

پہرہ دار اور محافظ کی موجودگی میں دکانوں سے چوری کرنے والے کو کھلی چھوٹ دی

(الھدایۃ ص:۱۵۴، ج:۴)

اور فقہ حنفی کے ان قوانین کے مطابق ایک عرصہ تک حنفی قاضی عدالتوں میں فیصلے کرتے رہے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود کسی نے بھی نہ تو فقہائے احناف کو کافر قرار دیا اور نہ ہی فقہ حنفی کے مطابق فیصلہ کرنے والے حکمرانوں اور قاضیوں پر کسی نے کفر کا فتوی لگایا۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ اسکی اجازت نہیں دیتی۔ مگر صد افسوس کہ آج فقہ حنفی کے انہی قوانین کے مطابق پاکستانی عدالتوں میں مقدمات کے فیصلے کیے جانے لگے تو چور مچائے شور والی صورت پیدا ہوگئی اور حنفیت کے علمبرداروں نے ہی انہیں طاغوتی عدالتیں، طاغوتی حکمران، اور طاغوتی فیصلوں کے لقب سے نوازنا شروع کر دیا۔ لیکن ان بیچاروں کو یہ علم نہیں ہے کہ اگر انکی بات درست تسلیم کرلی جائے تو فقہ حنفی کا ہر مفتی طاغوتی مفتی اور انکا ہر دار الافتاء طاغوتی فتوی سنٹر قرار پاتا ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار.....!

تکفیری دلائل کا علمی محاکمہ

پہلی دلیل: شیخ محمد بن ابراہیم اور صالح الفوزان نے کہا ہے کہ ایسا حکمران جو پوری شریعت کے قوانین کو چھوڑ کر اپنے یا کسی اور کے قوانین کو نافذ کرتا ہے اور اپنے ماتحت سب پر لاگو کر دیتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس نے ان قوانین کو اللہ تعالی کے فیصلوں سے افضل و بہتر سمجھا ہے۔

محاکمہ:

اولا: یہ دلیل اس قابل ہی نہیں ہے کہ دلیل بن سکے! کیونکہ شرعی مسائل واحکام میں دلیل تو صرف وحی الہی یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہی بن سکتی ہے۔ کسی بھی فقیہ یا محدث یا مفتی کا فتوی جب تک قرآن وحدیث کے دلائل سے مزین نہ ہوگا شریعت اسلامیہ میں اسکی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔

ثانیا: یہ موقف قرآن مجید فرقان حمید کے اس شرعی حکم کے خلاف ہے جس میں شک کرنے سے منع کیا گیا ہے (سورۃ الحجرات: ۱۲)۔ کیونکہ اس موقف میں فیصلہ نافذ

کرنے والے کی نیت پر شک کیا گیا ہے کہ اس نے اپنے فیصلہ کو خدائی فیصلہ سے افضل و بہتر ہی سمجھا ہو گا، جبکہ دلوں کے بھید تو صرف اللہ تعالی ہی جانتا ہے۔ اور پھر شک کی بنیاد پر تو اسلام میں نہ کوئی حد قائم کی جاتی ہے اور نہ تعزیری سزا دی جاسکتی ہے، جبکہ یہ تو کفر اسلام کا معاملہ ہے، اس میں شک پر بنیاد رکھنا کیسے جائز ہو گا؟ حتی کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی کی جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۶ میں یہ شرعی قاعدہ نقل کیا ہے "جس شخص کا اسلام یقین سے ثابت ہو جائے اسے محض شک کی بنیاد پر دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا"۔

ثالثا: جس طرح یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ اس فیصلہ نافذ کرنے والے نے یہ سمجھ کر فیصلہ نافذ کیا ہو گا اسی طرح یہ بھی احتمال پایا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس نے اس وجہ سے نہ نافذ کیا ہو بلکہ کسی سے انتقام کی خاطر یا دنیوی منفعت ولالچ کی بناء پر ایسا کیا ہو، اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس نے اسکے لیے کسی تاویل کا سہارا لیا ہو، یا اسے اس بارہ میں خدائی فیصلہ کا صحیح طور پر علم ہی نہ ہو۔ اور شرعی اصول سب کے ہاں مسلّم ہے کہ جب کسی بارہ میں مختلف احتمالات موجود ہوں تو اس وقت کسی ایک بات کو ترجیح دینا جائز نہیں ہوتا۔

رابعا: انہی خامیوں اور کمزوریوں کی بناء شیخ ابن عثیمین نے اپنے پرانے موقف سے رجوع بھی کر لیا تھا کیونکہ انہوں نے اپنی آڈیو کیسٹ "التحذیر فی مسئلۃ التکفیر" میں جسے ۱۴۲۰/۳/۲۲ میں ریکارڈ کیا گیا یہ فتوی دیا تھا" اگر کوئی حکمران قانون نافذ کرے اور اسے دستور بنادے جس پر لوگ چلتے رہیں اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اس میں ظالم ہے حق تو قرآن وسنت میں ہے تو ہم ایسے شخص کو کافر نہیں کہہ سکتے، کافر تو وہ ہے جو غیر اللہ کے فیصلے کو بہتر سمجھے یا اللہ تعالی کے فیصلہ کے برابر سمجھے۔"

شیخ کا یہ فتوی کتابی شکل میں بھی "مجموع فتاوی ورسائل شیخ ابن عثیمین ج ۲ ص ۴۵ تا ۵۰ میں موجود ہے۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالی کا فرمان ہے " وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدة: ٤٤) "

اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو وہ کافر ہیں۔

محاکمہ:

ظاہری طور پر تو اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی اللہ تعالی کے فیصلہ کو چھوڑا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اس آیت سے یہ ظاہر معنی مراد نہیں ہے۔ اسکی قدرے وضاحت تو ہم سابقہ سطور میں کر چکے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں کو الہی فیصلوں سے برتر سمجھتے ہیں یا مساوی قرار دیتے ہیں۔

اسی لیے امام ابن حزم رحمہ اللہ نے سورۃ المائدہ کی ان تینوں آیات کی تفسیر کرنے کے بعد فرمایا "تو معتزلہ پر لازم ہے کہ وہ ہر گنہگار ظالم اور فاسق شخص کو کافر قرار دیں، کیونکہ کسی بھی قسم کی نافرمانی اور معصیت کرنے والا، اللہ تعالی کے نازل کردہ فیصلہ کے خلاف کیا ہے۔"

تیسری دلیل:

بعض لوگ اس آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (المائدة: ٥٠)

پھر کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے۔

محاکمہ:

اس آیت کا مطلب تو صاف واضح ہے کہ جو شخص اللہ کے حکم سے دوسرے احکام کو بہتر سمجھتا ہے وہ اللہ پر یقین رکھنے والا یعنی مؤمن نہیں بلکہ کافر ہے۔ اور اس مسئلہ میں تو

کس کا کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالی فرمارہے ہیں کہ اہل ایمان کے لیے فیصلہ کے اعتبار سے اللہ سے بہتر کوئی نہیں۔ لیکن وہ شخص جو اللہ کے حکم کو چھوڑتا ہے لیکن وہ بہتر اللہ کے حکم کو ہی سمجھتا ہے، وہ کافر ہے یا نہیں اسکے متعلق اس آیت میں کوئی واضاحت اور دلیل نہیں ہے۔

چوتھی دلیل:

کچھ علماء نے اس آیت کو بطور دلیل پیش کیا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء :٦٥)

ہر گز ایسا نہیں! آپکے رب کی قسم یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک آپکو باہم جھگڑوں میں حاکم نہ مان لیں اور پھر آپکے کیے ہوئے فیصلہ کے بارہ میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور سر تسلیم خم کرلیں۔

محاکمہ:

اس آیت سے مراد کفر اکبر یعنی ایسا کفر نہیں جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کردے بلکہ مراد کفر اصغر یعنی کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ یہ آیت ایک بدری صحابی کے بارہ میں نازل ہوئی تھی جنکا سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ جب معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرما دیا۔ تو اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ اس لیے دیا ہے کہ وہ آپکی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی (صحیح بخاری:۲۰۵۹)

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں" اور یہ وہ آیت ہے جسے خوارج ایسے حکمرانوں کی تکفیر کے لیے بطور حجت پیش کرتے ہیں جو اللہ کے نازل کردہ فیصلوں کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں (منہاج السنہ ج۵ ص ۱۳۱)۔

یعنی بقول ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت سے کفر اکبر مراد لینا اور حکام کی تکفیر کرنا خارجیوں کا وطیرہ ہے۔ کیونکہ اگر اس آیت سے تکفیر کرنا جائز ہو تو اس بدری صحابی کی تکفیر بھی لازم آتی ہے جس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

پانچویں دلیل:

کچھ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا (سورۃ النساء: ٦٠)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ آپ پر نازل شدہ (شریعت) اور آپ سے پہلے نازل شدہ (شریعتوں) پر ایمان لے آئے ہیں، جبکہ وہ طاغوت کی طرف اپنے فیصلے لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ وہ طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیے گئے ہیں اور شیطان تو انہیں دور کی گمراہی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔

محاکمہ:

یہ آیت بھی حکمرانوں اور عدلیہ کو کافر قرار دینے کے لیے دلیل نہیں بنتی! ۔ کیونکہ اس آیت میں طاغوت سے فیصلہ کروانے سے روکا جارہا ہے۔ جبکہ پاکستانی عدلیہ اور حکام کا طاغوت ہونا ہی ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں واضح کر آئے ہیں کہ انکی تو تکفیر بھی نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ انہیں طاغوت قرار دیا جائے۔ اور طاغوت تو بدترین اور سرکش قسم کا کافر ہوتا ہے۔ یعنی کسی کو طاغوت کہنے کا مطلب اسے بدترین اور غلیظ ترین کافر قرار دینا ہوتا ہے۔ اور جس شخص کا کافر ہونا ہی ثابت نہیں ہو سکا تو کیسے ممکن ہے کہ اسے طاغوت قرار دے دیا جائے۔ کیونکہ طاغوت تو وہ ہوتا ہے جو لوگوں سے اپنی عبادت کروائے، علم غیب اور اس طرح کی دیگر خدائی صفات کا دعوی کرے جیسا کہ فرعون اور نمرود وغیرہ نے کیا تھا۔

چھٹی دلیل:

یہ دلیل بڑی شد و مد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کہ تاتاریوں نے جب اپنے قوانین کے مجموعہ "الیاسق" نامی کتاب کو دستور بنا کر نافذ کر دیا تو علمائے امت نے انہیں کافر قرار دے دیا اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تو ان کے کافر ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور آج کے حکمرانوں نے بھی خود ایک مسودہ قانون بنا کر لوگوں پر نافذ کیا ہوا ہے جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

محاکمہ:

حافظ ابن کثیر نے رحمہ اللہ نے تاتاریوں کے کفر جو اجماع نقل کیا ہے وہ درست ہے کہ تاتاری کافر تھے، انکے کفر کی کئی ایک وجوہات تھیں کیونکہ وہ اپنے ایجاد کردہ قوانین کے مجموعہ "الیاسق" کو الٰہی قوانین سے اعلیٰ و بہتر سمجھتے تھے اور انہیں اپنے حلال قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی جلد ۲۸ صفحہ ۵۳۲ پر تفصیلا بیان کیا ہے۔ اور اسی طرح خود حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں سورۃ المائدہ کی آیت ۵۰ کی تفسیر کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے۔

جبکہ پاکستان کے موجودہ مسودہ قانون میں یہ بات موجود نہیں ہے، بلکہ بات اسکے برعکس ہے کیونکہ ۱۹۷۳ء کے آئین اور پاکستان کی قرار داد مقاصد میں یہ بات درج ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی قانون بھی قرآن و حدیث کے خلاف نہیں بن سکتا۔ اور جب بھی کوئی قانون بنایا جاتا ہے تو اس پر نہایت غور خوض اور بحث مباحثہ کے بعد اسے پاس کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ راہنمائی کرنے والے روپے پیسے کی لالچ میں صحیح راہنمائی نہیں کرتے۔ اور پھر اگر کوئی قانون شریعت کے خلاف بن جاتا ہے تو حکمران یا عوام یا عدلیہ میں سے کوئی بھی اسے قرآن و سنت کے مقابلہ میں افضل و بہتر نہیں سمجھتا۔

ساتویں دلیل:

بعض لوگ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے " ایسے حکمران کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اللہ تعالی یا نبی کریم ﷺ یا قرآن کی تعظیم دل سے تو کرتا ہے لیکن اللہ تعالی یا نبی کریم ﷺ کو گالی دیتا ہے یا قرآن مجید کی بے حرمتی کرتا ہے، تو ایسے شخص کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ زبان سے تصریح کرے بلکہ اسکا یہ عمل ہی کافی ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

محاکمہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ تبارک وتعالی کو یا امام الانبیاء جناب محمد مصطفی ﷺ کو گالی دیتا ہے، وہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔ اگرچہ فقہ حنفی ایسے شخص کے بارہ میں نرم گوشہ رکھتی ہے جیسا کہ الھدایۃ کتاب السیر، ص:۵۹۸، ج:۲، فتاویٰ عالمگیری، ص:۲۵۳، ج:۲ میں اس شاتم رسول کافر کو جو ٹیکس دیتا ہو واجب القتل نہیں قرار دیا گیا حتی کہ حنفی فقیہ ابن نجیم حنفی لکھتا ہے: ''مؤمن کا دل نفس مسئلہ میں سبّ رسول ﷺ میں مخالف (امام شافعی) کے قول کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن ہمارے لئے اپنے مذہب کی اتباع ضروری ہے۔ [البحر الرائق کتاب السیر، ص:۱۱۵، ج: ۵]۔ لیکن بہر حال محدثین کرام کا طبقہ اسے واجب القتل ہی قرار دیتا ہے۔

مگر خلاف شرع فیصلہ کرنے اور اللہ یا اسکے رسول ﷺ کو گالی دینے کا معاملہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے۔ کیونکہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر سب وشتم کرنے والے کے کفر پر اجماع ہے اور خلاف شرع فیصلہ کرنے والے کے کفر پر کوئی اجماع نہیں حتی کہ خود اللہ تبارک وتعالی نے قرآن مجید فرقان حمید میں بھی ایسے لوگوں کو تین مختلف طبقات یعنی کافر، ظالم، اور فاسق میں تقسیم کیا ہے۔ باقی رہی بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کی تو اپنے قول کا مفہوم وہ خود صحیح طور پر سمجھنے والے تھے اور انہوں نے اسے واضح بھی کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں " اور شرع مبدل (یعنی تبدیل شدہ شریعت) وہ جس میں

اللہ تعالی پر اور اسکے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھا جائے یا لوگوں پر جھوٹی شہادتوں کے ذریعہ سے جھوٹ باندھا جائے، اور یہ کھلا ظلم ہے، سو جس نے یہ کہا کہ یہ اللہ تعالی کی شریعت میں سے ہے، تو وہ بلانزاع کافر ہے" (فتاوی ابن تیمیہ جلد ۳ صفحہ ۲۶۸)

یعنی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حکمران کے کافر ہونے کی بات کر رہے ہیں جو اپنے بنائے ہوئے قوانین کو الہی قوانین قرار دیتا ہے۔ اور اس کے کفر اکبر ہونے میں ہمیں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص خود قانون بنائے اور پھر یہ کہے کہ یہ اللہ کا قانون ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

جبکہ ہمارے معاشرہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دستور پاکستان، یا قانون پاکستان کو نہ تو خدائی قانون قرار دیا جاتا ہے اور نہ ہی انہیں خدائی قانون کا درجہ دیا جاتا ہے۔ بلکہ اسکے برعکس دستور پاکستان میں یہ بات طے شدہ ہے کہ قرآن وسنت کی بالادستی ہوگی۔ اور جو قانون بھی قرآن وسنت کے خلاف بنے گا وہ مسترد ہوگا۔ اب اگر کچھ ملاؤں کے غلط فتووں کے نتیجہ میں چند قوانین غیر اسلامی بن گئے ہیں تو دستور پاکستان کے مطابق انکی اصلاح کی جاسکتی ہے اور انہیں کتاب وسنت کے خلاف ہونے کی بناء ختم کروایا جاسکتا ہے۔

خاتمہ

اس ساری بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بہت سی صورتوں میں خلاف شرع فیصلہ کرنا کفر نہیں بنتا، اور جن صورتوں میں کفر بنتا ہے ان میں بھی کسی خاص شخص کو کافر قرار دینے سے پہلے دین اسلام میں کسی کو کافر قرار دینے کے اصول لاگو کرنا ہوں گے اور اس پر حجت قائم کرنا ہوگی۔ اور تکفیر کے اصول و قوانین کو بالائے طاق رکھ کر کسی کو کافر قرار دینا یہ خوارج کا منہج اور طریقہ کار ہے۔

حجیت حدیث

از قلم: محدث عصر رواں، فقیہ دوراں حافظ عبد المنان نورپوری رحمہ اللہ

کوئی مسلمان ایسا نہیں جو مسلمان بھی کہلائے اور مطلقاً حدیث کا انکار کردے۔ کچھ افراد بعض جزئیات کے منکر رہے ہیں۔ جیسے شیعہ ، معتزلہ اور خوارج ہیں۔ کبھی خبر واحد کہہ کر انکار کیا۔ اور کبھی حدیث کو عقل اور قرآن کے خلاف کہنے کی کوشش کی۔ آج سے اڑھائی سو سال قبل کچھ لوگ آئے۔ جنہوں نے مطلقاً حدیث کا انکار کیا اور بعض وجود حدیث کے ہی منکر ہیں۔ ان کی یہ بات بالکل باطل ہے۔ جس کے لیے چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

قرآن مجید سے حجیت حدیث کے دلائل:

پہلی دلیل:

[وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا]　　[الحشر : ۷]

اس آیت سے پتہ چل رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا امر اور نہی دونوں حجت ہیں۔ اگر دونوں حجت نہ ہوں تو حکم دینے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ یہ آیت مسئلہ فئے کے بارے میں ہے۔ ان کا یہ شبہ اس طرح دور ہو گا کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، خصوص شان نزول کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ورنہ قرآن مجید میں تمام احوال، ازمنہ، مقامات اور اشخاص میں حجت نہیں رہے گا۔ العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب الا بثبت۔

ان کے اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مسئلہ فئے کے لیے ہی ہے ، ہم تسلیم کر لیتے ہیں تو مسئلہ فئے کے لیے آپ کے جو اوامر و نواہی ہوں گے، وہ تو نافذ ہوں گے۔ تو مسئلہ فئے میں آپ کا امر و نہی کیوں نافذ کیا؟ صرف اس لیے

کہ آپ رسول اللہ ﷺ ہیں، تو آپ ﷺ دوسرے امور کے لیے بھی رسول اللہ اور نبی ہیں۔

دوسری دلیل:

[وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً] [الأحزاب : ٣٦]

کسی مؤمن مرد وعورت کو اختیار ہی نہیں کہ اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کردیں پھر وہ یہ سوچتا رہے کہ میں عمل کروں یا نہ کروں، اگر ایماندار ہے تو بلا تامل آپ کا فیصلہ قبول کرے گا۔اس سے پتہ چلا کہ نبی ﷺ کا فیصلہ حجت ہے، ورنہ لوگوں کا اختیار ختم نہیں کیا جاسکتا۔

تیسری دلیل:

[فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً] [النساء : ٦٥]

اس آیت سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ حجت ہے جب تک نبی ﷺ کا فیصلہ ظاہر ی اور باطنی ہر لحاظ سے تسلیم نہیں کریں گے تو اس وقت تک ایمان نہیں ہوسکتے۔اگر نبی ﷺ کا فیصلہ حجت نہ ہو تو ایمان کی نفی کیسے ہوگی؟

چوتھی دلیل:

[لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيراً] [الأحزاب : ٢١]

اسوہ کا معنٰی ہوتا ہے جس کے نقش قدم پر چلا جائے۔اگر آپ کا امر اور نہی حجت نہیں تو آپ اسوہ کیسے بنیں گے؟ حالانکہ آپ اسوہ حسنہ ہیں۔یہ آیت بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال اور افعال حجت ہیں۔اسی کو حدیث کہتے ہیں۔

پانچویں دلیل:

[فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ] [النور : ٦٣]

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے والے کو فتنہ یا درد ناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔اگر آپ کا امر حجت نہیں تو عذاب الیم کی وعید کیسے ہوسکتی ہے؟

چھٹی دلیل:

[قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ] [آل عمران : ٣١]

اگر تمہارے اندر اللہ کی محبت موجود ہے تو رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ایمان کا تقاضا ہے جس کے بغیر آدمی ایماندار نہیں بن سکتا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رسول اللہ ﷺ کے اتباع پر موقوف ہے۔اگر لوگ رسول اللہ ﷺ کا اتباع نہ کریں تو ایماندار نہیں ہوسکتے۔ بلکہ قرآن کے ماننے والے بھی نہیں رہتے۔قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں جن میں خاص حدیث کی طرف اشارہ ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

[سَيَقُولُ السُّفَهَاء مِنَ النَّاسِ مَا وَلاَّهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُواْ عَلَيْهَا] [البقرة : ١٤٢]

کہ مسلمانوں کو اپنے قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا؟

مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔اس کا تذکرہ قرآن مجید میں کہیں بھی موجود نہیں، اس کا تذکرہ احادیث میں ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جو حکم حدیثوں میں ہے، وہ اللہ کا حکم ہے۔

سورۃ التحریم، آیت : ۰۳ میں ہے:

[وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثاً فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ] [التحريم : ٣]

کہ نبی ﷺ نے اپنی بیوی کے ساتھ راز کی بات کی۔ تو اس بیوی نے راز کو فاش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر اپنے نبی کو دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے جو اطلاع اپنے نبی کو دی ہے۔ وہ قرآن میں نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ جب نبی ﷺ نے بیوی سے پوچھا تو بیوی نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا بیوی سے سوال کرنا قرآن میں مذکور نہیں لیکن جواب مذکور ہے۔ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ [وَأَظْهَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ] میں ہے ، لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ [وَأَظْهَرَهُ اللهُ] خبر ہے۔ ایک حکایت ہوتی ہے ، دوسرا محکی عنہ ہوتا ہے۔ حکایت محکی عنہ سے غیر ہوا کرتی ہے۔ اگر اس کو محکی عنہ مان لیں تو بات غلط ہوجاتی ہے کیونکہ محکی عنہ پورا واقع ہے۔

ساتویں دلیل:

[إِنْ أَتَّبِعُ إِلاَّ مَا يُوحَى إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ]
[یونس : ۱۵]

اس آیت میں نفی اور استثناء موجود ہے جو قصر کا فائدہ دیتا ہے کہ میں صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں ، وحی کے علاوہ کسی کی پیروی نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت صرف وحی کی پیروی ہوتی تھی، جس کی پیروی ہوتی تھی، وہ آپ کی حدیث ہی تھی اور قرآن ہی تھا۔ لہٰذا حدیث بھی وحی ہے۔ ورنہ مذکورہ بالا آیت میں قصر درست نہیں رہتا۔

آٹھویں دلیل:

[وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْياً أَوْ مِن وَرَاء حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ] [الشوری : ۵۱]

انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کے تین طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ اشارہ ہو۔ دوسرا طریقہ : پس پردہ کلام کرنا ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام

سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے۔اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی فرشتے کو پیغام دے کر بھیج دے۔اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ تک دین تین طریقوں سے آیا ہے۔قرآن مجید ان تین طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔دوسرے دونوں طریقوں سے جو قوانین آئے۔وہ کہاں ہیں؟ وہ حدیث کی شکل میں ہیں۔اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

[وَأَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ] [النساء : ۱۱۳]

اور اللہ نے تجھ پر قرآن نازل کیا اور حکمت نازل کی۔

کون سی حکمت نازل ہوئی؟ وہ حدیث ہے۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ آپ کی حدیث اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے ۔جو شخص حدیث کا منکر ہے، وہ قرآن کا منکر ہے۔اگر وہ قرآن کو مانتا ہے تو ان تمام قرآنی آیات کو بھی مانے گا۔جب وہ قرآنی آیات کو تسلیم کرلے گا تو حدیث کو خودبخود حجت تسلیم کرلے گا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اعادہ روح اور منکر و نکیر کے سوالات سے متعلقہ احادیث مبارکہ ان قرآنی آیات کے خلاف یا متضاد نہیں، بلکہ انکے موافق و مطابق ہیں۔

دراصل غلطی اس وقت پیدا ہوئی جب انہوں نے موت اور زندگی کے آغاز کو نہیں سمجھا۔ اور زندگی کے مختلف مراحل سے ناآشنا رہے۔ اخروی زندگی کے پہلے مرحلہ یعنی قبر و برزخ کی زندگی کو انہوں ایک الگ زندگی سمجھ لیا اور اسی اخروی زندگی کے دوسرے مرحلہ کو انہوں نے ایک الگ زندگی خیال کر لیا جبکہ ایسا نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی دونوں زندگیوں، یعنی حیات دنیوی اور حیات اخروی کے دو الگ الگ مراحل ہیں۔ دنیوی زندگی کا آغاز ماں کے رحم سے ہوتا ہے۔ بچہ شکم مادر میں زندہ ہوتا ہے، اسکی افزائش ہوتی ہے، اسے خوراک ملتی ہے، وہ حرکت کرتا، بیمار ہوتا اور کچھ چیزوں کو محسوس بھی کرتا ہے۔ لیکن اسکی زندگی کا یہ مرحلہ شکم مادر سے خارج کی زندگی سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ وہ باہر کی تمام تر چیزوں سے بے خبر ہوتا ہے، کسی قسم کی آواز اسے سنائی نہیں دیتی اور نہ ہی وہ بولتا ہے۔ پھر جب وہ وہاں سے باہر نکلتا ہے تو اسکی اسی دنیوی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالی نے فرمایا ہے "ثم نخرجکم طفلا" پھر ہم تمہیں اس حال میں باہر نکالتے ہیں کہ تم بچہ بن چکے ہوتے ہو۔

پھر جب یہ دنیوی زندگی ختم ہوتی ہے تو جسم میں روح کے لوٹائے جاتے ہی اخروی زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے، جسے قبر یا برزخ کی زندگی کہتے ہیں۔ اس میں کچھ سوال و جواب ہوتے ہیں اور جزاء یا سزا کا سلسلہ چل نکلتا ہے، جو کہ اخروی جزاء یا سزا کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔ پھر روز محشر جب قبریں پھٹیں گی اور لوگ میدان محشر میں جمع ہونگے تو اسکی اخروی زندگی کا دوسرا دور شروع ہو جائے گا۔

یعنی جس طرح دنیوی زندگی کے دو مراحل ہیں ایک شکم مادر میں اور دوسرا خارج میں، ایسے ہی اخروی زندگی کے بھی دو مراحل ہیں ایک قبر و برزخ میں اور دوسرا مرحلہ خارج میں،

جسکا آغاز روز قیامت سے ہو گا۔

اور اگر اول الذکر آیت پر ہی تھوڑا غور کر لیں تو اخروی زندگی کے یہ دونوں مراحل نکھر کے سامنے آجاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی فرمارہے ہیں کہ تم مردہ و بے جان تھے تو اس نے اس بے جانی کیفیت اور موت کی حالت کے ختم ہوتے ہی فوراً زندگی سے نوازا، پھر زندگی عطاء کرنے کے کچھ بعد تمہیں موت دے گا، اور پھر موت دینے کے کچھ بعد تمہیں زندہ کرے گا، اور زندہ کرنے کے کچھ بعد تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

[عربی زبان میں "ف" تعقیب مع الوصل اور "ثم" تعقیب مع التراخی کے لیے آتا ہے، اسی لیے "ف" کا معنی "فورا بعد" اور "ثم" کا معنی "کچھ بعد" کیا گیا ہے۔]

تو اس آیت مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالی نے یہ نہیں فرمایا کہ جب وہ تمہیں پھر زندہ کرے گا تو اسکے فورا بعد تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ بلکہ فرمایا ہے کہ جب وہ تمہیں زندگی دے گا تو اسکے کچھ بعد تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

دوبارہ زندگی اور رجعت الی اللہ (اللہ کی طرف لوٹنے) کا درمیانی وقفہ کا نام ہی قبر یا برزخ کی زندگی ہے۔

کیونکہ زندگی ملنے کے فورا بعد محشر کی طرف دوڑ نہیں لگے گی بلکہ اللہ فرمارہے ہیں "ثم إليه ترجعون" پھر کچھ دیر بعد تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

سو، اعادہ روح کے نتیجہ میں ملنے والی زندگی ابدی، دائمی اور ہمیشہ کی زندگی ہے۔ اور قیامت سے پہلے پہلے اس زندگی کا ایک مرحلہ ہے اور قیامت کے بعد اسی زندگی کا دوسرا مرحلہ شروع ہو گا۔

یاد رہے کہ قیامت کے دن روحوں کے بدن میں داخل ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے!